صاحب ہدایہؒ پر ابن ابی العز الحنفیؒ کے اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

(پانی سے پاکی حاصل کرنے سے متعلقہ مباحث کا اختصاصی مطالعہ)

An overview on the objections of Ibn Abiliz Alhanafi on the book of Hidaya

Hafiz Zulfiqar Shah
Ph.D scholar, Allama Iqbal Open University Islamabad
Email: Zulfiqarshah57@gmail.com
Dr. Hidayat Khan
Chairman department of Sharia
Allama Iqbal Open University Islamabad

ABSTRACT
Ali-Bin Ali-Bin Ali-Alez Alhanfi was born in Demascus 1331 AD. He was a great Sufi and Islamic scholar. He was a prominent philosopher and great jurist. While studying Alhidaya (a compiled juristic and Hanafi school of thought book) he found some places which were objectionable according to his sight. He just pointed out those places and took firm determination to search a good solution for those places. He did not find a chance to do so and died in 842 AD.
The total objectionable places accedes two thousand. In this article some of them will be observed. First his text will be mentioned then observation will be placed in the light of anatomies given by the jurists. There will be mentioned personal view upon those objectionable places. While taking overview on the objectionable places it will be observed that every objection should be read with all angles and should be read in the light of other jurists' opinions.
Keywords: determination, anatomies

تعارف

علامہ علی بن ابی بکر المرغینانیؒ (م ۵۹۳ھ) کی تصنیف **"الہدایہ"** فقہ حنفی کی اُمہات الکتب میں سے ہے۔ صاحبِ ہدایہ نے امام محمد شیبانیؒ (م ۱۸۹ھ) کی **"الجامع الصغیر"** اور امام قدوریؒ (م ۴۲۸ھ) کی **"مختصر القدوری"** کو سامنے رکھتے ہوئے فقہ کا ایک متن **"بدایۃ المبتدی"** کے نام سے تالیف کیا، پھر اس کی ایک شرح **"کفایۃ المنتہی"** کے نام سے لکھی، مگر اس شرح کے طویل ہونے کی وجہ سے بعد ازاں اس کی تلخیص **"الہدایہ"** کے نام سے کر دی۔ اس کتاب کو جہاں فقہِ حنفی کا ایک بنیادی مصدر سمجھا جاتا ہے، وہاں فقہِ مقارن اور احکامِ شریعت کے نقلی دلائل اور عقلی حِکَم میں بھی اس کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک صرف عربی زبان میں اس کی ۶۰ سے زائد شروحات لکھی گئی ہیں، جن میں اس کتاب کے احکام و مسائل کی تشریح اور نقلی و عقلی دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مسائل و دلائل پر نقد و نظر بھی ہوتا رہا ہے۔

ان ناقدین میں سے ایک نام علامہ علی بن علی بن ابی العز الحنفیؒ (م۷۹۲ھ) کا بھی ہے جنہوں نے اپنی کتاب "**التنبیہ علی مشکلات الھدایۃ**" کا موضوع ہی "**الہدایہ**" کے اُن امور کو بنایا ہے جو بظاہر مشکل اور قابل اعتراض معلوم ہوتے ہیں، اُنہوں نے اِن اشکالات کو اپنی "**التنبیہ علی مشکلات الھدایۃ**" میں جمع کر دیا ہے۔ ابن ابی العزؒ نے پوری ہدایہ کا تنقیدی جائزہ لے کر بیسیوں اشکالات کو نقل کیا ہے، مثلاً صرف کتاب الطہارۃ میں کل اکہتر (۷۱) اشکالات ہیں۔ اس سلسلے میں ابن ابی العزؒ کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ہدایہ کی وہ عبارت نقل کرتے ہیں جس میں کوئی قابل اعتراض بات ہو۔ اس کے بعد "**وفیہ نظر**" لکھتے ہیں اور جو اشکال مذکورہ عبارت میں ہو، اس کو بیان کرتے ہیں، کبھی کبھار "**وفیہ نظر**" کے الفاظ کے بغیر ہی اشکال نقل کر دیتے ہیں۔ پھر اپنی رائے کا اظہار اور دلائل نقل کرتے ہیں۔ بسا اوقات اپنی رائے کے ثبوت کیلئے اشباہ و نظائر کو بھی لاتے ہیں۔

ابن ابی العزؒ نے خود کتاب کے مقدمہ میں یہ بات بیان کی ہے کہ اُنہوں نے اس کتاب میں تین قسم کی مشکلات کو جمع کیا ہے[1]۔

۱۔ پہلی قسم کی مشکلات کا تعلق صاحب ہدایہ کے الفاظ و تعبیر سے ہے۔

۲۔ دوسری قسم کی مشکلات کا تعلق صاحبِ ہدایہ کی تعلیل واستدلال سے ہے۔

۳۔ تیسری قسم کی مشکلات کا تعلق نفسِ حکم سے ہے۔

پہلی قسم کی مثال یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے تکبیراتِ تشریق کے باب میں ایک مقام پر یوں لکھا ہے: "والتکبیر هو التشریق، كذا نقل عن الخلیل"۔ اس تعبیر پر ابن ابی العز نے یہ اشکال کیا ہے کہ اس بات کا امام خلیل سے منقول ہونا بظاہر درست نہیں، کیونکہ تکبیر کی تشریق کی طرف اضافت کر کے یوں کہا جاتا ہے: "تکبیرالتشریق" اس صورت میں معنی یوں بن جائے گا "تکبیرالتکبیر" جو کہ درست نہیں[2]۔

دوسری قسم کی مثال یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے لکھا ہے کہ داڑھی کا خلال امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سنت نہیں ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ سنت فرض کی تکمیل کے لیے ہوتی ہے، جبکہ یہاں تکمیل کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا یہ سنت نہیں۔ اس پر ابن ابی العزؒ نے اس تعلیل پر یہ اشکال کیا ہے کہ سنت صرف فرض کی تکمیل کے لیے ہو، یہ بات ضروری نہیں، جیسا کہ کلّی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا سنت ہیں، حالانکہ یہ تکمیلِ فرض کے لیے نہیں ہیں[3]۔

تیسری قسم کی مثال یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے مسواک کے بارے میں لکھا ہے: "الأصح أنه مستحب" اس پر ابن ابی العزؒ نے یہ اشکال کیا ہے کہ مسواک کا حکم استحباب کا نہیں ہے، بلکہ یہ سنتِ مؤکدہ ہے اور پھر اس پر دلائل نقل کیے ہیں[4]۔

زیر نظر ارٹیکل میں اشکالات کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا۔ یہ اشکالات پانی سے طہارت حاصل کرنے کے متعلق ہیں۔ تجزیاتی پہلو کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے کہ شراح ہدایہ نے ان اشکالات کو اپنے شروح میں کس حد تک جگہ دی ہے۔

[اشکال نمبر:۳۲](صاحب ہدایہ کا قول؛**[پانی میں]اجزاء کے غلبے کا اعتبار ہو گا، رنگ کے غلبے کا اعتبار نہیں ہو گا۔ یہی صحیح قول ہے۔)**

مناسب ہے کہ صاحب ہدایہ اس بات کو اپنے اس قول سے مقید کرتے کہ جب تک پانی کا نام طبیعت باقی ہوں۔ کیونکہ اگر اس کا نام تبدیل ہو جائے جیسا کہ نبیذ میں ہے تو اس پر مختلف فیہ کلام آگے آرہا ہے۔ حالانکہ صاحب ہدایہ اس سے قبل کہ چکے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ پانی کا نام مطلق طور پر باقی ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اس کے لیے الگ سے کوئی نام نہیں رکھا گیا۔ اور اگر پانی کی طبیعت اس طور سے تبدیل ہو جائے کہ اس کا سیلان باقی نہ رہے تو اس حوالے سے بات گزر چکی کہ اس طرح کے پانی سے وضوء جائز نہیں۔ کیونکہ صاحب ہدایہ نے پہلے یہ بیان کر دیا ہے کہ ایسے پانی سے وضوء کرنا جائز نہیں کہ جس پر کوئی اور چیز غالب آجائے اور پانی کی طبیعت کو نکال دے۔ تو صاحب ہدایہ کا اپنے قول کی تصحیح کرنا یہ شک پیدا کرتا ہے کہ مؤثر صرف اجزاء کا غلبہ ہے۔)

اشکال نمبر ۳۲ کا تجزیہ:

اوپر صاحب ہدایہ نے ذکر کیا کہ اگر کسی پانی میں کوئی چیز مل جائے تو اس میں تفصیل ہے کہ دیکھا جائے گا کہ پانی کے اجزاء زیادہ ہیں یا دوسری چیز کے، اگر پانی کے اجزاء غالب ہوئے تو اس پانی سے وضوء کرنا جائز ہو گا۔ اگر دوسری چیز کے اجزاء زیادہ ہوئے تو پھر ایسے پانی سے وضوء کرنا جائز نہیں ہو گا۔ ابن ابی العزؒ نے یہ اشکال کیا ہے کہ صاحب ہدایہ نے اپنی مذکورہ بالا بات مطلق کیوں ذکر کر دی ہے۔ صاحب ہدایہ کو چاہیے تھا کہ وہ اپنی اس بات کو مقید کرتے اور یہ بھی ساتھ کہتے کہ جب تک پانی کا نام باقی ہو۔ ابن ابی العزؒ کے مطابق مطلق مذکورہ بالا عبارت کو مقید نہ کرنے سے ایک خرابی لازم آتی ہے۔ وہ یہ کہ اگر صرف یہی بات کافی ہوتی کہ پانی میں اجزاء کے غلبے کا اعتبار ہو، قطع نظر اس سے کہ پانی کا نام باقی ہو یا نہ ہو، تو پھر نبیذ وغیرہ سے وضوء درست ہونا چاہیے، حالانکہ ایسا نہیں۔

ابن ابی العزؒ کا مذکورہ بالا اشکال درست نہیں ہے۔ کیونکہ نبیذ اور دوسری اشربہ کے حوالے سے مستقل بات پیچھے ذکر ہو چکی ہے کہ ان سے وضوء کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نبیذ و اشربہ کی وجہ سے پانی کی طبیعت میں فرق آجاتا ہے۔ لہذا صاحب التنبیہ کا اشکال درست معلوم نہیں ہو رہا۔

[اشکال نمبر:۳۳](صاحب ہدایہ کا قول؛اور ہر وہ پانی جس میں نجاست گر جائے تو اس طرح کے پانی سے وضوء کرنا جائز نہیں۔خواہ نجاست قلیل ہو یا کثیر ہو۔)

(یہ مشکل لفظ ہے، کیونکہ پہلے جملے میں انہوں نے تمام پانی کو شامل کیا پھر اسے اپنے اس قول کے ساتھ مؤکد کیا کہ کم ہو یا زیادہ۔اور یہ بات بالاجماع ماء جاری اور کثیر کھڑے پانی کے حوالے سے درست نہیں۔اور بعض نسخوں میں اس کی اصلاح کی گئی ہے، اور اس طرح کی عبارت ہے "قليلا كانت النجاسة او كثيرا"۔اور بعض علماء نے اس سے اعتذار کر کے دو معنی اخذ کیے ہیں۔ایک یہ کہ ہر وہ پانی جس کے ساتھ نجاست مل جائے تو اس سے وضوء کرنا جائز نہیں، خواہ پانی زیادہ ہو یا کم ہو۔اور خواہ پانی جاری ہو یا کھڑا ہو۔دوسرا یہ کہ کثیر سے یہ مراد لیا جائے کہ جو نجاست کے پڑنے سے تبدیل نہ ہوتا ہو جیسا کہ امام مالکؒ نے اسے کو کثیر قرار دیا ہے۔یا دو قلے کے بقدر مراد ہو جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔تو یہ پھر اس کثیر مقدار کو ثابت کرنے کے لیے ہو گا جو کہ ہمارے ،مالکیہؒ اور شوافعؒ کے درمیان مختلف فیہ ہے۔اور اوپر کلام میں اس تخصیص پر دلالت کرنے والی بات ذکر نہیں۔اور اگر یہ کہا جائے کہ مصنفؒ کا ارداہ اسی طرح ہے تو پھر ہمیں اس ارادہ کا کوئی اطلاع نہیں۔)

اشکال نمبر ۳۳ کا تجزیہ:

صاحب ہدایہ نے پانی کے حوالے سے ذکر کیا کہ اگر اس میں کوئی نجاست گر جائے گی تو پھر اس پانی سے وضوء کرنا جائز نہیں ہے۔خواہ پانی کم ہو یا زیادہ۔اس پر ابن ابی العزؒ نے اشکال کیا ہے کہ یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ اس اطلاق میں تو جاری پانی بھی داخل ہو جائے گا۔اور ماء جاری کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ نجس نہیں ہوتا ہے۔لہذا یہ اطلاق ابن ابی العزؒ کے ہاں محل نظر ہے۔

اس حوالے سے شراح ہدایہ نے بھی مذکورہ بالا عبارت میں مختلف تاویلات کیے ہیں۔علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ دراصل یہ عبارت امام قدوریؒ کی ہے۔امام سغناقی کہتے ہیں کہ درج بالا پانی سے مراد ایک بڑا حوض ہے جو کہ دہ در دہ کے احاطے پر مشتمل ہو۔امام اترازیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کھڑا پانی ہے جو کہ پڑے تالاب کو نہ پہنچتا ہو۔اسی طرح تاج الشریعہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کھڑا پانی ہے کہ جو دہ در دہ تک نہ پہنچتا ہو۔سروجیؒ فرماتے ہیں کہ اس عبارت کے دو معنی ہیں جیسا کہ اوپر ابن ابی العز نے بھی بیان کیا۔علامہ عینیؒ کی رائے کے مطابق اس سے مراد ماء جاری نہیں، کیونکہ ماء جاری کے بارے میں مستقل الگ سے بحث صاحب ہدایہ نے چند سطور کے بعد ذکر کیا ہے[5]۔

راقم الحروف کی رائے میں ابن ابی العزؒ کی یہ بات محل نظر ہے کہ مذکورہ بالا عبارت میں تو پھر ماء جاری بھی داخل ہو گیا، کیونکہ صاحب ہدایہ نے ماء جاری کے احکامات الگ سے ذکر کیے ہیں۔تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ عبارت میں بظاہر

ایک خلجان سا نظر آتا ہے۔ جس کی وجہ سے شراح ہدایہ کو مختلف تاویلات کا سہارا لینا پڑا۔ اگر عبارت یوں ہوتی کہ "سواء کانت النجاسة قليلة او كثيرة "تو بات بالکل صاف ہو جاتی۔ (واللہ اعلم)

[اشکال نمبر:۳۴] (صاحب ہدایہ کا قول؛ اور جس حدیث کو امام مالکؒ نے روایت کیا ہے وہ بضاعہ کے کنویں کے متعلق وارد ہوا ہے اور اس کا پانی باغات کے لیے جاری تھا۔)

(مراد ابو سعید خدریؓ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا ہم بضاعہ کے کنویں سے وضوء کر سکتے ہیں؟ درانحالیکہ وہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض کے کپڑے، کتے کا گوشت اور گندگی ڈالی جاتی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی۔ امام ابو داوٗدؒ نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے۔ امام احمدؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور مسند میں ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی۔ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی بعض ازواج مطہرات نے پانی کے برتن سے غسل کیا تو حضور ﷺ آئے اور ان ازواج مطہرات کے بچے ہوئے پانی سے وضوء فرمایا، تو انہوں نے حضور ﷺ سے ساری بات بیان کی تو آپؐ نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی۔ یہ حدیث ابو حاتمؒ نے روایت کی ہے۔ اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔ اس حدیث کو ابو عمر بن عبد البر نے "التمہید" میں ذکر کیا ہے۔

اور صاحب ہدایہ نے حدیث بیر بضاعہ پہلے باب میں ذکر کی ہے۔ اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے "مگر جب تک کہ اس کا رنگ، ذائقہ اور بو نہ بدلا ہو"۔ حدیث کو اس زیادتی کے ساتھ امام دار قطنیؒ اور امام بیہقیؒ نے ابو امامہ الباہلی کی حدیث اور رشدین بن سعد عن معاویہ بن صالح کے طریق سے ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں ضعیف ہیں۔ اور حدیث کو اپنے ظاہر پر بغیر استثناء کے ذکر کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ اس میں جب نجاست کا اثر ظاہر ہو جائے تو اس کے لیے استعمال کرنا گویا نجاست کے لیے استعمال کرنے کے مترادف ہے۔ برخلاف اس کے کہ جب ہٹانے سے اس نجاست کا اثر زائل ہو جائے۔ کیونکہ پھر اس کی مثال زمین کی طرح ہے کہ جب زمین کو کوئی نجاست پہنچ جائے اور پھر اس اثر زائل ہو جائے، پس وہ زمین دوبارہ پاک ہو جاتی ہے۔ تو یہی مثال پانی کی بھی ہے۔)

اشکال نمبر ۳۴ کا تجزیہ:

ابن ابی العز نے یہاں صاحب ہدایہ پر یہ اشکال کی ہے کہ صاحب ہدایہ نے پانی کی طہوریت کے اوپر جو دلیل پہلے ذکر کی ہے اس میں "الا ما تغير لونه او طعمه او ريحه" کے الفاظ اضافی ہیں۔ اور اگر امام دار قطنیؒ اور امام بیہقیؒ نے یہ اضافہ ذکر کیا ہے تو ان کے ذکر کردہ حدیث کے سلسلے میں دو رواۃ ہیں، جن کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اس حوالے سے علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ صاحب ہدایہ نے جن الفاظ کے ساتھ حدیث ذکر کی وہ ضعیف ہے۔ اس میں ایک راوی رشدین بن سعد ہیں جن کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے[6]۔ اسماء الرجال کی کتب میں جب بندہ نے رشدین بن سعد کو تلاش کیا تو ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کو ضعیف لکھا ہے[7]۔ اس تفصیل کی روشنی میں ابن ابی العز کا اشکال بظاہر درست معلوم ہوتا ہے۔

[اشکال نمبر:۳۵] صاحب ہدایہ کا قول؛ اور اس کا پانی باغات کے لیے جاری تھا۔

اسی طرح امام طحاویؒ نے واقدی سے نقل کیا ہے۔ اور واقدی سے اس کے بیان میں غلطی ہوئی ہے۔ اور واقدی ان لوگوں میں سے نہیں کہ جس کی بات کو بطور دلیل کے پیش کیا جائے۔ اور یہاں اس کی غلطی واضح ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں مدینے میں کوئی بھی چشمہ جاری نہ تھا۔ البتہ صرف کنوؤں کا وجود تھا۔ اور بیر بضاعہ آج تک مدینہ کے مشرقی حصے میں موجود ہے۔ زرقاء اور حمزہ کے چشمے نئے ہیں۔ اور اس میں وہی شخص جھگڑتا ہے کہ جسے مدینہ کے بارے میں معلومات نہ ہوں۔ اب امام مالکؒ کے قول کا رجحان ظاہر ہو گیا کہ پانی تب ہی نجس ہوتا ہے کہ جب وہ تبدیل ہو جائے اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ بات حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، حذیفہؓ، ابن المسیب، حسن بصری، حسن بن صالح، عکرمہؓ، سعید بن جبیر، قاسم بن محمد، عطاء، زہری، عبد الرحمان بن ابی لیلی، جابر بن زید، یحیی بن سعید القطان، عبد الرحمان بن مہدی، اوزاعی، سفیان ثوری، جعفر صادق، لیث، عبد اللہ بن وہب اور داؤد سے منقول ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور امام نخعی سے بھی منقول ہے۔

ابن منذر نے کہا؛ اور اسی مذہب کا میں بھی قائل ہوں۔ اسی کو امام غزالیؒ اور امام رویانیؒ نے اختیار کیا اور حرمین و مغرب وغیرہ کے شہروں میں بھی اسی پر عمل ہے۔ ابن منذر کہتے ہیں کہ یہی مذہب ایک جماعت کا بھی ہے جن کو میں نے خراسان اور عراق میں دیکھا۔ امام احمدؒ سے بھی ایک یہی روایت ہے۔ حنابلہؒ میں اکثر کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ امام مالک مدینہ منورہ کے حالات سے زیادہ واقف تھے۔

اور الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ اگر کنویں کا پانی جاری تھا تو حضور ﷺ نے عمومی الفاظ کے ساتھ اس کا جواب دیا کہ پانی پاک ہے۔۔۔ الخ، آپ ﷺ نے اپنے قول کو نہ تو اسی کنویں کے ساتھ خاص کیا اور نہ ہی ماء جاری کے ساتھ خاص کیا۔ ماء جاری کے ساتھ تخصیص حدیث مستیقظ، کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع والی حدیث اور حدیث ولوغ کلب میں موجود ہے۔ فقہاء نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں۔ پہلا جواب یہ کہ منع غسل کرنے اور پیشاب کرنے کا ہے۔ کیونکہ یہ کبھی کبھار اضافے کی طرف لے جاتی ہے یہاں تک کہ پانی بھی متغیر ہو جاتا ہے۔ جب کوئی آدمی کھڑے پانی میں پیشاب کرلے اور پھر اسی پانی سے غسل کرلے تو اس کا پیشاب بھی اس کو لگ جاتا ہے۔

دوسرا جواب یہ کہ نص صرف پیشاب کے حوالے سے آئی ہے اور پیشاب دوسری نجاستوں کی بنسبت زیادہ غلیظ ہے۔ کیونکہ زیادہ تر عذاب قبر اسی وجہ سے ہوگا۔ اور پانی کو پیشاب سے بچانا ممکن ہے۔ کیونکہ یہ انسان کے اختیار میں ہے۔ پس اس پر قیاس نہ کیا جائے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کا کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع، تھوڑے اور زیادہ پانی کو شامل ہے۔ صاحب قلتین (شوافع علماء) کو کہا جائے گا کہ اگر پانی دو قلوں سے زیادہ ہو، اس میں پیشاب کرنے سے پانی نجس ہوگا یا نہیں؟ اگر وہ ہاں کہے تو اس نے ظاہری حدیث کو چھوڑا اور اگر وہ نہ کہے تو وہ اپنی دلیل سے پیچھے ہٹ گیا۔ اسی طرح ان علماء کو کہا جائے گا جو کہ بڑے حوض کا اندازہ دہ در دہ سے لگاتے ہیں، کہ اگر حوض اس سے بھی بڑا ہو تو اس میں پیشاب کرنے سے پانی نجس ہوگا یا نہیں، اگر وہ ہاں کہیں تو نص کو ترک کرنا لازم آرہا ہے، اگر وہ نہ کہیں گے تو اپنی دلیل پر عمل نہیں کر رہے۔

فقہاء نے کہا کہ عقل میں آنی والی یہ بات نہیں کہ دو قسم کے پانی ہوں، ان میں سے ایک دوسرے سے ایک رطل یا ایک پیالہ زیادہ ہو، اور نجاست کا ایک میں بھی اثر نہ ہو، تو ان میں سے ایک پاک رہے اور دوسرا نجس رہے۔

اور ہر چہ جو ولوغ کلب والی حدیث ہے، تو جب پانی ڈالنے کے لیے عام برتن ہو اور کتا اپنے زبان سے اسے تھوڑا تھوڑا کرکے چاٹ رہا ہو تو لازمی بات ہے کہ برتن میں کچھ اس کے لعاب سے باقی بچ جائے گا، اور وہ چکنا ہے تو اس میں قلیل پانی نہیں جائے گا بلکہ وہ باقی رہے گا۔ پس یہ نجاست اس برتن کے استعمال سے مانع ہوا۔ جیسا کہ تم اس مسئلے میں کہتے ہو کہ جب شراب کا کوئی قطرہ سرکے کے مٹکے میں چلا جائے تو اس وقت اس کا پینا جائز نہیں۔ اور اگر شراب کے لوٹے میں ڈال دیا جائے اور اس میں شراب کا کوئی اثر نہ ہو تو اس سے پینا جائز ہے۔ کیونکہ زیادہ مقدار والی چیز کا جب ثر نہ دکھائی دے رہا ہو تو یہ اس بات دلالت کر رہا ہے کہ وہ سرکہ میں بدل گیا ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ تم نے دہ در دہ والی پیمائش کہاں سے نکالی ہے، کیونکہ مقادیر کا تعلق تو سماع پر ہے؟ اگر آپ یہ جواب دیں کہ دریا پر قیاس کرتے ہوئے یہ ایک بڑے حوض کی پیمائش کے نتیجے میں سامنے آیا ہے تو جس کے ایک جانب حرکت کرنے سے دوسرا جانب حرکت نہ کرتا ہو، تو یہ کہا جائے گا کہ حرکت دینے کا اعتبار کی کوئی اصل ہی نہیں۔ اس میں اضطراب بھی پایا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق مغتسل کی تحریک کا اعتبار ہے۔ ایک قول کے مطابق متوضی کے تحریک کا اعتبار ہے۔ ایک قول کے مطابق ہاتھ کی تحریک کا اعتبار ہے۔ اور ہر اعتبار کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی بھی ایسا حوض نہیں کہ جس کے ایک جانب حرکت دینے سے دوسری نہ حرکت نہ ہوتی ہو اگرچہ حوض بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ تحریک کے وقت ہی دوسری جانب اس کے اثر کے پہنچنے کا اعتبار ہے اس کے ٹھہرنے کے بعد نہیں۔ اور پانی کی لہریں اوپر نیچے کی طرف اٹھ جائیں، تو یہ کہا جائے گا کہ یہ بھی کوئی اصول نہیں۔ اور اس وقت کو محفوظ کرنا ممکن ہی نہیں کہ جس میں پانی کی تحریک کا اثر دوسری جانب پہنچ جائے۔ اور جیسا کہ حرکت حرکت

میں فرق ہوتا ہے تو نجاستوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ زیادہ نجاست اس جگہ تک پہنچ سکتی ہے کہ جہاں تک کم نجاست نہیں پہنچ سکتی۔ فقہاء کہتے ہیں کہ جب تک پانی میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو تو پاکی کی صفت اس میں باقی رہے گی، پس جب نجاست کا اثر ہی ظاہر نہ ہو تو یہ اس بات کی طرف دلالت کرتی ہے کہ وہ پانی طبیعت میں بدل چکا ہے۔ تو وہ پانی میں بدلنے کی وجہ سے پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ شراب سرکے میں بدلنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زمین کو جب نجاست لگ جائے، اس نجاست کا اثر زائل ہو جائے اور وہ زمین کے اجزاء کے ساتھ مل جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔ گندگی جب ریت یا نمک بن تب بھی صحیح قول کے مطابق یہی حکم ہے۔

اور جن علماء نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ شراب تبدیل ہونے کی وجہ سے نجس ہے تو سرکہ میں تبدیل ہونے کی وجہ سے پاک بھی ہو جائے گا بر خلاف خون اور پیشاب کے، ان علماء کا یہ فرق کرنا کمزور ہے۔ کیونکہ سارے نجاسات ماہیت میں تبدیلی کی وجہ سے نجس کے حکم میں ہیں۔ خون اور پیشاب پاک چیزوں سے تبدیل ہو کر نجس بنے ہیں۔ اسی طرح پاخانہ وغیرہ کا بھی یہی نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام خبائث کو ان کے خبث کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پاک چیزوں کو ان میں موجود پاکی کی صفت کی وجہ سے مباح قرار دیا۔ جب تبدیلی کی وجہ سے خبث کی صفت زائل ہو جائے تو پاکی کی صفت خالص رہ جاتی ہے۔ جیسا کہ تبدیلی کی وجہ سے پاکی کی صفت زائل ہو جائے تو خبث کی صفت خالص رہ جاتی ہے۔ جیسا کہ انڈہ کا مغز خون میں تبدیل ہو جائے اور شربت جب شراب میں تبدیل ہو جائے۔ خون، پیشاب اور پاخانہ کھانے اور پینے سے تبدیل ہو کر وجود میں آتے ہیں۔ اور دودھ، خون اور گوبر کے درمیان سے تبدیلی ہی کی وجہ سے نکلتا ہے۔ یہ نہ کہا جائے کہ ہم اس سے محفوظ ہیں، کیونکہ سنت کے ساتھ مخالفت لازم آتی ہے۔ حضور ﷺ نے خود جب ایسے کنویں سے وضوء فرمایا کہ جس میں حیض کے کپڑے، کتوں کے گوشت اور گندگی ڈالی جاتی تھی۔ تو ہمارے لیے کیسے مناسب ہے کہ ہم ایسے عمل سے ہٹے رہیں کہ جس کو آپ ﷺ نے کیا ہے۔

اور بالتحقیق حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا ہوا لوگوں کو کہ وہ ایسی اشیاء سے دور ہٹتے ہیں کہ جن میں میں رخصت دیتا ہوں۔ اللہ کی قسم میں تم لوگوں کی بنسبت زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور زیادہ اللہ کی حدود کو جاننے والا ہوں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اشیاء میں اصل پاکی کا حکم ہے۔ کسی چیز کو دلیل کے ذریعے ہی نجس کا حکم لگانا جائز ہو گا۔ اور نص نہ ہونی کی وجہ نجاست پر کوئی دلیل نہیں، نہ ہی اجماع اور نہ ہی صحیح قیاس موجود ہے۔

اشکال نمبر ۳۵ کا خلاصہ جائزہ:

خلاصہ اشکال:

پانی کی طہارت پر امام مالک کی مذکورہ بالا دلیل ہے کہ "الماء طہور لاینجسہ شیئ"۔ یہ حدیث بظاہر احناف کے مسلک

کے خلاف ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ حدیث دراصل بیر بضاعہ کے بارے میں ہے۔ بیر بضاعہ کا پانی جاری تھا لہذا اس حدیث سے مراد وہ خاص پانی ہے جو کہ باغات کو سیراب کیا جاتا تھا۔ اس پر ابن ابی العز نے یہ اشکال کیا ہے کہ بیر بضاعہ کے حوالے سے یہ کہنا کہ یہ ماء جاری تھا، دراصل واقدی کا قول ہے۔ واقدی سے پھر امام طحاویؒ اور دیگر ائمہ نے لیا ہے۔ جبکہ واقدی کے بارے محدثین نے فرمایا ہے کہ وہ ایک متروک راوی ہے۔ لہذا بیر بضاعہ کے بارے میں واقدی کا یہ قول ماننا مشکل ہے۔ ابن ابی العزؒ نے مزید کہا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں مدینہ میں کوئی بھی نہر جاری نہ تھی۔ لہذا احناف کے مذکورہ بالا حدیث کا جواب دیتے ہوئے یہ کہنا کہ وہ بیر بضاعہ کے حوالے سے ہے اور اس کے پانی سے باغات کو سیراب کیا جاتا تھا، محل نظر ہے۔

اشکال کا جائزہ:

واقدی کے حوالے سے ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے کہ واقدی وسیع علم رکھنے کے باوجود ایک متروک راوی ہیں[8]۔ علامہ ذہبیؒ نے واقدیؒ کے ضعف پر اجماع نقل کیا ہے[9]۔ تاہم علامہ ذہبی نے واقدی کو ضعیف قرار دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اخبار صحابہ میں واقدی ایک بنیادی راوی کی حیثیت رکھتے ہیں[10]۔ علامہ عینی نے البنایہ میں واقدی پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دینے کی کوشش کی ہے[11]۔ لیکن چونکہ فن اسماء الرجال کے محدثین نے ان کو متروک اور ضعیف قرار دے دیا ہے تو اس وجہ سے علامہ عینی کے دیے ہوئے جوابات محل نظر ہیں۔

اگر واقدی کی بات تسلیم نہ کی جائے تب بھی امام مالکؒ کا استدلال حدیث بیر بضاعہ سے درست نہیں۔ کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ ایک طرف سے تو بیر بضاعہ میں گند ڈالا جا رہا ہو اور دوسری طرف حضور ﷺ اس سے وضوء فرما رہے ہوں۔ تو لازمی یہ بات ماننی پڑے گی کہ صحابہ کا سوال ایسا تھا کہ اس بیر بضاعہ کے پانی سے وضوء کرنا جائز ہے کہ جس میں زمانہ جاہلیت میں لوگ حیض کے کپڑے، کتے کے گوشت اور دوسری غلاظات ڈالا کرتے تھے۔

ابن ابی العزؒ نے جو یہ اشکال کیا ہے کہ تاریخ کے حوالے سے یہ بات ثابت نہیں کہ مدینہ میں اس وقت بیر بضاعہ کا پانی جاری تھا، تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت ممکن ہے کہ بیر بضاعہ کا پانی زیر زمین باغات کو سیراب ہوتا ہو[12]۔

درج بالا تفصیل کی روشنی میں بندہ یہ کہتا ہے کہ ابن ابی العزؒ کا اشکال جزوی طور پر درست ہے۔ انہوں نے جو واقدی کے حوالے سے تحقیق کی ہے وہ اپنی جگہ پر درست ہے۔ تا بیر بضاعہ کے حوالے سے جو اعتراض وارد ہوا ہے تو اس کو جواب علامہ عینی نے البنایہ میں دیا ہے، جسکی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ (واللہ اعلم)

[اشکال نمبر:۳۶](صاحب ہدایہ کا قول: اور جو روایت امام شافعیؒ نے نقل کی ہے، تو اس روایت کو امام ابو داؤدؒ نے ضعیف قرار دیا ہے یا وہ روایت نجاست کے احتمال کی وجہ سے ضعیف ہے۔)

مراد حدیث قلتین ہے۔امام ابوداؤد کی طرف تضعیف کی نسبت کرنا محل نظر ہے۔ سروجی کہتے ہیں کہ امام ابوداؤد نے اپنے سنن میں اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس پر کلام نہیں کیا۔ سروجی کی بات ختم ہوئی۔ لیکن ابن عربیؒ نے شرح ترمذی اور ابن عبد البر نے "التمہید" میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔اور ان کے علاوہ محدثین نے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ماء قلیل میں عموم بلوی ہے۔اور ضرورت اس بات کی ہے کہ اس حکم کو معلوم کیا جائے۔اور اس طرح کے احکامات متزلزل روایات سے ثابت نہیں ہوسکتے۔ایسی روایات کو ثقہ رواۃ نقل نہیں کرتے۔ بلکہ اس کی طرف شدت احتیاج اس حدیث کے نقل کرنے پر زیادہ ارادوں کو لازم کرتی ہے۔اور اگر یہ حد لازم ہوتی تو محدثین اس کو ضائع اور مہمل نہ قرار دیتے۔اس طرح کے روایات کو وہی نقل کرتا ہے جو کہ مطعون ہو۔

اور مصنفؒ کا یہ قول کہ یا وہ پانی نجاست کے احتمال کی وجہ سے کمزور (نجس) ہوجاتا ہے، تو اس تاویل کو ایک اور روایت "اذا بلغ الماء قلتين لاينجسه شيئ" رد کرتی ہے۔اور اس تاویل سے زیادہ ضعیف بات یہ ہے کہ قلتین سے مراد دو انسانوں کے قد ہوں یا دو پہاڑوں کی چوٹیاں ہوں۔ دو انسانوں کے قد والی تاویل میں فقہاء زیادہ گہرائی کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ مستعمل کی رائے کا ہی اعتبار ہوتا ہے۔اور پہاڑ کی چوٹیوں کی تاویل سے شارع کے کلام کو محفوظ کرنا چاہیے۔ بلکہ اس طرح کی تاویلات، حضور ﷺ کے کلام سے استہزاء کے مترادف ہے۔ حضور ﷺ کی عادت یہ تھی کہ وہ مقدرات کی پیمائش ان کی برتنوں کے ذریعے کرتے، جیسا کہ فرمایا، پانچ وسق سے کم میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی، صاع اور مد کا پیمانہ وغیرہ۔اور کسی ایسی چیز کے ساتھ مثال نہیں دی جاتی جو کہ آپس میں مختلف ہوں، اور ان کے درمیان فرق ہو۔ کیونکہ ایسی چیزوں کا پیمانہ بیان نہیں کہلاتا حالانکہ حضور ﷺ بالکل واضح طور پر ہمیں ہر بات پہنچائی ہے۔

لیکن حدیث قلتین اگر درست قرار دیا جائے تو اس کا منطوق حدیث بیر بضاعہ اور ابن عباسؓ کے حدیث کے موافق ہے۔وہ روایت یہ ہے کہ جب پانی قلتین تک پہنچ جائے تو اسے کوئی چیز نجس نہیں کرسکتی۔ جہاں تک حدیث قلتین کے مفہوم کی بات ہے تو جب ہم نے عدد کے مفہوم کی دلالت کے اعتبار سے کہا تو یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسکوت عنہ میں موجود حکم کسی وجہ سے منطوق بہ میں موجود حکم کے مخالف ہے۔اور یہ بات لازم نہیں آتی کہ مسکوت عنہ کے تمام صورتوں میں موجود حکم، منطوق بہ کے تمام صورتوں میں موجود حکم کے مخالف ہو۔اور ان کے قول "مفہوم کے لیے عموم نہیں ہوتا" کا بھی یہی مطلب ہے۔ پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر ایسا پانی جو قلتین کو نہ پہنچے تو وہ نجس ہوجاتا ہے۔ بلکہ جب بعض صورتوں میں اختلاف کا کہا گیا تو مقصد حاصل ہوگیا۔

یہ بات بھی ہے کہ حضور ﷺ نے اس کا ذکر شروع میں نہیں کیا۔ بلکہ حضور ﷺ نے کسی شخص کے سوال کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔اس شخص نے چٹیل زمین میں موجود ایسے پانی کے بارے میں پوچھا کہ جہاں پر درندے اور

چوپایہ وغیرہ آتے تھے۔ جب تخصیص کے لیے ایسا سبب ہو کہ جو حکم کو خاص نہ کرتا ہو تو وہ بطور دلیل کے باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ اللہ کا قول ہے "ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق" (اور تم اپنے اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل مت کرو)۔ اسی صورت کو نہی کے ساتھ خاص کیا گیا کیونکہ یہی واقعہ تھا، اس وجہ سے نہیں کہ اس کے ساتھ تحریم خاص ہے۔ قرآن مجید میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

پس حدیث قلتین میں پیمانہ یہ ہوا کہ پانی اگر قلتین سے کم ہو تو نجس ہو جائے گا۔ اور اگر نجاست کم ہو، پانی زیادہ ہو تو بھی نجس نہیں ہوتا برخلاف قلتین کے، کہ وہاں اس نجاست کا احتمال نہیں ہوتا جس کے بارے میں صحابہؓ نے پوچھا تھا۔ اس اعتبار سے دونوں احادیث دعوی کے ثبوت میں متفق ہیں۔

میں نے شیخ تقی الدین ابن تیمیہؒ کے کلام میں یہ بات پائی ہے کہ اس طرح کے کلام حضور ﷺ کی جانب سے منسوب کرنا مناسب نہیں، مراد حدیث قلتین ہے۔ ابن تیمیہؒ اس بات کو ترجیح دیتے کہ یہ حدیث ابن عمرؓ پر موقوف ہے۔ اور اس بات اس زمانے کے شیخ الحفاظ ابو الحجاج المزیؒ نے بھی لیا ہے۔

اشکال نمبر ۳۶ کا تجزیہ:

حدیث قلتین امام شافعیؒ کی دلیل ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ امام ابو داؤدؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ صاحب التنبیہ کہتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کا امام ابو داؤدؒ کی طرف تضعیف کی نسبت کرنا محل نظر ہے۔ کیونکہ امام ابو داؤدؒ نے مذکورہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد کوئی کلام نہیں کیا۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ جس پر امام ابو داؤدؒ کلام نہ کریں تو وہ حدیث حجت ہوتی ہے۔

بندہ نے سنن ابو داؤد میں اس حدیث کو دیکھا تو وہاں امام ابو داؤدؒ نے اس حدیث پر کلام کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ابو داؤدؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے[13]۔ مزید یہ کہ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں شدید اضطراب پایا جاتا ہے۔ بعض روایت میں "غرب" کے الفاظ ہیں۔ بعض روایات میں "اربعین دلوا" کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح سند میں بھی شدید اضطراب پایا جاتا ہے[14]۔

مذکورہ بالا تحقیق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صاحب التنبیہ کا یہ کہنا کہ صاحب ہدایہ نے امام ابو داؤدؒ کی طرف جو تضعیف کرنے کی نسبت کرنا محل نظر ہے، تو یہ اشکال درست نہیں۔ صاحب ہدایہ نے جو یہ بات کہی ہے کہ امام ابو داؤدؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، وہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔

[اشکال نمبر ۳۷] (صاحب ہدایہ کا قول: اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول ہے کہ اس پانی کا پینا، (اس [میں موجود شکار کا] کھانا حلال اور اس سے وضوء کرنا جائز ہے۔)

مراد پانی ہے کہ جب اس میں کوئی ایسی چیز مر جائے کہ اس کا بہتا ہوا خون نہ ہو۔ سلیمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر وہ کھانا یا پانی کہ جس میں کوئی ایسا چوپایہ گر جائے کہ جس کا خون نہ ہو، پھر مر جائے تو ایسے پانی کو پینا، اس چوپایہ کا کھانا اور اس پانی سے وضوء کرنا جائز ہے۔ اس روایت کو امام دار قطنیؒ نے نقل کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور ہر چہ وہ لفظ جس کو مصنفؒ نے ذکر کیا ہے تو لگتا ہے کہ وہ روایت بالمعنی ہے۔

اور "صحیح" میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مکھی تم میں سے کسی کے برتن میں گر جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس مکھی کو پورا ڈبو دے، پھر اسے پھینک دے، کیونکہ اس کے ایک پر میں شفاء جبکہ دوسرے پر میں بیماری ہے۔ اس روایت کو امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس کا اسی سبب سے مرنا ہے۔ پس اگر وہ مکھی اس پانی کو فاسد کر دیتی تو اس طرح کا حکم حضور ﷺ ارشاد نہ فرماتے۔ "اشراف" میں ابن المنذرؒ بیان کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے ایک قول کے علاوہ مجھے اس میں اختلاف معلوم نہیں۔

اشکال نمبر ۳۷ کا تجزیہ:

صاحب ہدایہ نے اوپر جس حدیث کو ذکر کیا تو ابن ابی العز نے اس حدیث پر یہ اشکال کیا ہے کہ امام دار قطنیؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر ابن ابی العز نے مزید آگے امام بخاری کی حدیث کو نقل کیا ہے۔

بندہ نے سنن الدار قطنی کو دیکھا ہے تو اس میں اس حدیث کو امام دار قطنی نے ضعیف قرار دیا ہے[15]۔ اس حوالے سے ابن ابی العزؒ کا اشکال بظاہر درست معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

[اشکال نمبر:۳۸](صاحب ہدایہ کا قول: پھر حسنؒ کی بواسطہ امام ابوحنیفہؒ کے روایت میں ہے کہ وہ نجاست حقیقیہ میں استعمال کے اعتبار سے نجاست غلیظہ ہے۔)

مراد ماء مستعمل ہے۔ اور یہ روایت شاذ ہے۔ اس کو قاضی خانؒ نے نقل کیا ہے۔ اور نجاست حقیقیہ میں ماء مستعمل پر حدث کو زائل کرنے میں ماء مستعمل کو قیاس کرنا محل نظر ہے۔ کیونکہ نجاست حقیقیہ میں استعمال شدہ پانی کو دوبارہ استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسے پانی کو استعمال کرنے والا نجاست کو استعمال کرنے والا ہوگا۔ اور اسی وجہ سے اگر پانی جاری اور زیادہ ہو اور اس میں نجاست کا اثر نہ دکھائی دے رہا ہو تو اس پانی کو استعمال کرنا بالاجماع جائز ہے۔ امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق اور امام مالکؒ کے ہاں اگر پانی کم بھی ہو تب بھی جائز ہے۔ اور اس سبب کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے کہ جس کے ذریعے فقہاء نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ جہاں تک بات ہے حدث کو زائل کرنے والے ماء مستعمل کا تو اس میں نجاست داخل نہیں ہوئی، البتہ اس کے ذریعے گناہوں کی نجاست کو زائل کیا گیا ہے۔ یہ بات پانی کی نجاست کو موجب نہیں، اور نہ ہی پانی کے طہوریت والے وصف کے نکالنے کا موجب ہے، جیسا کہ عطاءؒ، حسن بصریؒ، نخعیؒ، مکحولؒ، زہریؒ، ابو ثورؒ، اہل

ظواہرؒ، ثوریؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہ کا قول ہے۔

حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ اور ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ اگر کوئی شخص سر کا مسح بھول جائے اور اس کے ڈاڑھی میں نمی موجود ہو تو اس کے لیے اس ڈاڑھی کی نمی کے ذریعے سر پر مسح کرنا کافی ہو جائے گا۔ ابن المنذر اور صاحب مغنی نے یہ نقل کی ہے۔ ربیع بنت معوذ بن عفراءؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے وضوء کیا اور ہاتھ میں موجود باقی ماندہ پانی کے ذریعے سر پر مسح کیا۔ ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ میں موجود وضوء کے باقی ماندہ پانی کے ذریعے سر پر مسح کیا۔ ان دونوں روایات کو امام احمدؒ نے نقل کیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے بعض ازواج مطہرات نے ایک برتن سے غسل کیا تو حضور ﷺ اس کے باقی ماندہ پانی سے وضوء یا غسل فرمایا۔ تو ام المؤنین نے کہا کہ میں حالت جنابت میں تھی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانی نجس نہیں ہوتا۔ اس حدیث کو ابو داؤدؒ، نسائیؒ اور ابو حاتمؒ نے نقل کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے تخریج کے بعد اس حدیث کو حسن اور صحیح قرار دیا ہے۔ ظاہری مذہب یہ ہے کہ یہ پانی طاہر تو ہے لیکن مطہر نہیں۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ وغیرہ نے ذکر کرنے کے بعد کہا کہ کیونکہ پاک کا پاک کے ساتھ مل جانا نجاست کا موجب نہیں الا یہ کہ اس کو ثواب کی نیت کے قائم مقام مانا جائے جیسا کہ زکوۃ کا مال کا حکم ہے۔

اور زکوۃ کے مال پر قیاس کرنا محل نظر ہے۔ کیونکہ زکوۃ کے مال کے لیے یہ صفت لازم نہیں۔ حضور ﷺ نے بریرہؓ کو دیے ہوئے زکوۃ کے مال میں سے بھی کھا کر فرمایا تھا "یہ ان کے لیے زکوۃ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔ اسی طرح نسیبہؓ کو دیے ہوئے زکوۃ کے مال میں سے کھا کر فرمایا" یہ اپنے جگہ کو پہنچ چکی ہے۔ اگر کسی ہاشمی کے لیے زکوۃ کے درہم میں سے بطور ہدیہ کے دیا جائے تو اس کے لیے جائز ہے کہ ایک مرتبہ پھر اسی کو بطور صدقہ کے دے دے۔ پانی سے صفت طہوریت کو زائل ہونے کے قول پر اس پانی سے دوبارہ وضوء کرنا جائز نہیں۔ زکوۃ کے مال پر صاحب ہدایہ کے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ پانی صرف فرض کو ساقط کرنے کی وجہ سے ہی مستعمل کہلائے، جیسا کہ امام زفرؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک ہے۔ اور امام شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے۔ کیونکہ صاحب ہدایہ نے **باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ و من لا یجوز** میں یہ بات ذکر کی ہے کہ ہدیہ کے علاوہ بنی ہاشم کو زکوۃ نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ یہاں مال پانی کی طرح فرض کو ساقط کرنے سے نا پاک ہو جاتا ہے۔ جہاں تک ہدیہ کی بات ہے تو اس کی مثال ٹھنڈک کے لیے وضوء کرنا ہے۔ پس نفلی صدقہ کو ثواب کی نیت سے دوبارہ پاکی حاصل کرنے کی طرح بنا دیا گیا ہے۔

ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ جس کنکری سے رمی جمار کرلی جائے تو اس سے وہی آدمی یا کوئی اور آدمی دوبارہ رمی کر سکتا ہے۔ ایک مرتبہ ثواب کی نیت کو قائم کرنا دوسری مرتبہ ثواب کی نیت کو قائم کرنے سے مانع نہیں۔ اور یہ بھی ایک

وجہ ہے پانی کے وصف میں اصل طہوریت ہے۔ اور جو حدیث طہوریت کے وصف کے زوال پر دلالت کر رہی ہے وہ حضور ﷺ کا کھڑے پانی میں غسل کرنے سے منع کرنا ہے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ منع اس وجہ سے تھا کہ وہ پانی گندہ تھا، اس وجہ نہیں کہ وہ نجس تھا۔ اور نہ ہی اس وجہ سے کہ وہ ماء مستعمل تھا۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانی میں جنابت نہیں آتی۔ ایک روایت میں ہے کہ پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ حضور ﷺ یہ بات ثابت ہے کہ مومن نجس نہیں ہو سکتا۔

پانی کا نجس ہونا تب متحقق ہو گا کہ جب وہ کسی نجس چیز سے مل جائے یا اس کی صفت طہوریت استعمال کی وجہ سے سلب ہو جائے تو پھر اس میں جنابت بھی آجاتی ہے۔ جنبی شخص اور حائضہ عورت کا پسینہ بالاجماع پاک ہے۔ اسی طرح ان کا جوٹا بھی پاک ہے۔ یا ایک جواب یہ بھی ہے کہ منع اس وجہ سے ہے کیونکہ اس جنبی آدمی کے بدن پر نجاست کا احتمال ہے تو سد اللذرائع نہی کا حکم ارشاد ہوا۔ پس پانی سے صفت طہوریت شک کی وجہ سے زائل نہیں ہو سکتی۔ اور صبح نیند سے بیدار ہونے والے شخص کے لیے پانی میں ہاتھ داخل کرنے کے منع میں تین اقوال ہیں۔

پہلا قول: ہاتھ میں لگے ہوئے نجاست کا خوف ہونا۔ مثال کے طور پر اس شخص کا اپنا ہاتھ استنجاء والی جگہ پر پھیرنا کہ وہاں پسینہ بھی ہو۔

دوسرا قول: یہ ایک امر تعبدی ہے۔ عقل سے نہیں پر کھا جا سکتا۔

تیسرا قول: نیند سے بیدار ہو کر ہاتھ دھونے کا حکم اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ رات کو کہیں شیطان اس شخص کے ہاتھ کو چھو جاتا ہو۔ جیسا کہ صحیحین میں حدیث مذکور ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب بھی تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالے کیونکہ شیطان اس کے ناک کے اندرونی حصے میں رات گزارتا ہے۔ تو ممکن ہے کہ ہاتھ دھونے کا حکم بھی اس وجہ سے ہو۔ پس یہ علت ان مؤثر علل میں سے ہو گی کہ جن کی گواہی نص بطور قیاس کے دے رہی ہے۔ پس پانی سے صفت طہوریت سلب نہیں ہوئی۔

امام بیہقیؒ نے بھی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عائشہؓ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو حالت جنابت میں اپنا ہاتھ غسل سے پہلے پانی کے برتن میں داخل کرے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔ لیکن اسے چاہیے کہ پہلے وہ ہاتھ دھولے۔ میں اور حضور ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے۔

لفظ "الطَهور" فتحہ کے ساتھ ہو تو اس شے کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے طہارت حاصل کی جائے۔ جیسا کہ الوَضوء اس شے کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے وضوء کیا جائے؛ السَحور اس کھانے کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے سحری کی جائے؛ الوَقود اس شے کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے آگ جلائی جائے؛ الفَطور ایسے کھانے کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے

ناشتہ کیا جائے۔ اور "ط" کے ضمہ کے ساتھ ہو تو پھر اسم مصدر ہو گا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالی نے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ "وانزلنا من السماء ماء طَهوراً"، ایک جگہ ارشاد ہے "ماءً ليطَهركم به"۔

لفظ "طاہر" اس چیز پر دلالت نہیں کرتا کہ جس کے ذریعے طہارت حاصل کی جائے۔ جو لوگ عربی سے واقف ہیں ان کے ہاں ان دو الفاظ کے درمیان یہی فرق ہے۔ ایسا نہیں کہ لفظ "طَہور" لفظ "طاہر" سے معدول ہے، جیسا کہ بعض اہل علم کے گروہ کا گمان ہے۔ جیسا کہ "فعول" "فاعل" سے معدول ہو کر آتا ہے۔ پس یہ نحویین کے ہاں تعدیہ اور لزوم کے قبیل سے ہو گا۔ پس یہ ان کا قول ہے کہ جن کا قول عربی جہت کے اعتبار سے نہیں مانا جاتا۔ لہذا جب لفظ طاہر کا حمل لفظ طہور پر کیا جائے تو معنی کے فساد کی وجہ سے جب یہ بات درست نہیں کہ لفظ "طَہور" سے طاہر مراد لیا جائے۔ یہ بھی درست نہیں کہ لفظ طہور کو لفظ طاہر کا متعدی قرار دیا جائے کیونکہ ایسا استعمال نہیں ہوتا۔ پس آپ غور کر لیجئے!۔

اس تفصیل سے مصنف کے قول کا رد ظاہر ہو گیا جو کہ مصنف نے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے قول کے تعلیل میں کہا کہ "طَہور" وہ پانی ہے کہ جو ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ کسی چیز کو پاک کرے۔ جیسا کہ قَطوع ہے۔ کیونکہ قَطوع صفت میں مبالغہ کے لیے قاطع سے معدول ہے۔ جیسا کہ الحَمول، الظَلوم، الغَفور، الكَتوم، النَوع، الصَبور، الشَكور ہیں۔ جبکہ یہاں لفظ طَہور اس قبیل سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس باب سے ہے کہ جو فعول، ف کے ضمہ کے ساتھ، کے وزن پر استعمال ہوتا ہے کیونکہ یہ اسم مصدر ہے۔ اور ف کے فتحہ کے ساتھ وہ چیز مراد ہو گی کہ جس کے ذریعے وہ فعل حاصل کیا جائے جس کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔

اشکال نمبر ۳۸ کا جائزہ:

ماء مستعمل کی بات چل رہی ہے۔ صاحب ہدایہ نے اوپر یہ بات ذکر کی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے ایک قول یہ مروی ہے کہ ماء مستعمل نجاست غلیظہ ہے۔ جیسا کہ نجاست حقیقیہ میں استعمال کیے ہوئے پانی کا حکم ہے وہی ماء مستعمل کا بھی ہے۔ ابن ابی العزؒ نے نجاست حقیقیہ پر ہونے والے قیاس کو محل نظر کہا ہے۔ کیونکہ نجاست حقیقیہ کو دور کرنے والے پانی کو استعمال کرنا اس لیے درست نہیں کہ وہاں اسے استعمال کرنے والا نجاست کو استعمال کرنے والا کہلائے گا۔ جبکہ یہ بات ماء مستعمل میں نہیں پائی جاتی۔ لہذا صاحب ہدایہ کا ماء مستعمل کو نجاست حقیقیہ کو دور کرنے والے پانی پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

بندہ کو اس حوالے سے ہدایہ کی شروح میں کوئی بات واضح طور پر نہ مل سکی البتہ اتنی بات ہے کہ یہ احناف کا مرجوح قول ہے، راجح قول یہ ہے کہ ماء مستعمل خود تو پاک ہے لیکن اس سے مزید پاکی حاصل نہیں کی جاسکتی[16]۔

اس تفصیل کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ صاحب التنبیہ کا اشکال اگرچہ درست معلوم ہوتا ہے لیکن جس قول پر اشکال کیا گیا ہے، وہ احناف کا مرجوح قول ہے۔ (واللہ اعلم)

[اشکال نمبر:۳۹](صاحب ہدایہ کا قول؛اور اسی طرح اس کا گوشت بھی پاک ہے۔یہی صحیح قول ہے۔)

مشائخ کے ایک گروہ نے اس بات کی تصحیح کی ہے کہ ذبح کرنے سے گوشت پاک نہیں ہوتا،اور یہی صحیح قول ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے غزوہ خیبر کے دن ان ہانڈیوں کے بارے میں فرمایا تھا جن میں پالتو گدھوں کا گوشت پک رہا تھا، کہ ان کو بہادو اور برتنوں کو توڑ دو۔ تو ایک آدمی نے کہا کہ کیا ہم گوشت کو بہا کر برتنوں کو دھولیں۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا اسی طرح؟۔اگر ذبح کے ذریعے پاک ہو جاتا تو برتنوں کو دھونے کی ضرورت نہ ہوتی۔

اشکال نمبر۳۹کا جائزہ:

صاحب ہدایہ نے اوپر یہ بات ذکر کی کہ اگر کسی جانور کی کھال کو دباغت دے کر پاک ہو جائے تو اس کا گوشت بھی پاک ہو جاتا ہے۔ اس پر ابن ابی العزؒ نے یہ اشکال کیا ہے کہ یہ بات درست نہیں، کیونکہ خیبر کے موقع پر تو حضور ﷺ نے گوشت کو بہانے کا اور برتنوں کو توڑنے کا حکم دیا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا گوشت پاک نہیں ہو سکتا۔

علامہ ابن ہمامؒ نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ صاحب ہدایہ نے جو اوپر بات ذکر کی ہے وہ بظاہر محل نظر ہے۔ آگے وہ لکھتے ہیں کہ اکثر مشائخ کا قول یہ ہے کہ اس کا گوشت ناپاک رہے گا[17]۔

[اشکال نمبر:۴۰](کیونکہ اللہ تعالی کے قول[فإنه رجس]میں "ہ"ضمیر زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے اس کی طرف لوٹ رہی ہے۔)

ضمیر تو جو مذکور رہے اس سب کی طرف لوٹ رہی ہے۔اور وہ مردار اور خنزیر کا گوشت ہے۔کیونکہ اصل میں عبارت اس طرح ہے کہ "قل لا أجد فيما أوحي إلي شيئًا محرمًا"(تم کہو کہ جو کچھ مجھ پر وحی کی گئی ہے ان میں کوئی بھی چیز حرام نہیں ہے)۔ پس موصوف کو حذف کیا گیا اور صفت کو اس کی جگہ قائم مقام بنایا گیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ مگر درج ذیل چیزیں حرام ہیں۔پس یہ تمام چیزیں گندگی ہیں۔اور ضمیر کو بعض مذکور کی طرف لوٹانا محل نظر ہے۔

اشکال نمبر۴۰کا جائزہ:

صاحب ہدایہ نے یہ ذکر کیا کتے نجس العین نہیں ہے۔ جبکہ خنزیر نجس العین ہے۔ خنزیر کے نجس العین ہونے پر صاحب ہدایہ نے یہ دلیل دی ہے کہ آیت[حرمت عليكم الميتة والدم الخ]میں جہاں "ہ"ضمیر کا مرجع خنزیر کی طرف راجع ہے۔کیونکہ یہ زیادہ قریب ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ خنزیر نجس ہے۔اس دلیل پر ابن ابی العزؒ نے یہ اشکال کیا ہے کہ ضمیر کو صرف ایک چیز کے لیے لوٹانا درست نہیں۔کیونکہ اس سے پہلے میتۃ اور دم وغیرہ بھی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ ضمیر کا مرجع مذکورہ تمام اشیاء ہیں۔

اس حوالے سے ابن ہمامؒ نے بھی فتح القدیر میں یہ بات ذکر کی ہے کہ ضمیر گزشتہ تمام اشیاء کی طرف لوٹ رہی ہے[18]۔اس روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ صاحب التنبیہ کا اشکال بظاہر درست معلوم ہو رہا ہے۔

[اشکال نمبر:۴۱](صاحب ہدایہ کا قول؛کیونکہ ذبح نجس نمی کو زائل کرنے میں دباغت کی طرح عمل کرتا ہے۔]

اس بات میں کلام ہے۔کیونکہ نمی ذبح کے ذریعے زائل ہو جاتی ہے۔ذبح کے ذریعے دم مسفوح نکلتا ہے۔ذبح کے لیے صرف دم مسفوح کا نکالنا کافی نہیں۔اور اسی وجہ سے مجوسی کا ذبیحہ حلال نہیں۔ذبح اضطراری کے ذریعے شکار حلال ہے اگرچہ دم مسفوح نہ نکلے۔

اشکال نمبر ۴۱ کا جائزہ:

صاحب ہدایہ نے اوپر یہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ جانور جس کی کھال دباغت سے پاک ہو جائے تو وہ ذبح کے ذریعے بھی پاک ہو جاتا ہے کیونکہ ذبح ایسا ہی عمل کرتا ہے جیسا کہ دباغت عمل کرتا ہے۔اس تعلیل پر ابن ابی العزؒ نے یہ اشکال کیا ہے کہ نجاست والی نمی ذبح سے زائل نہیں ہوتی۔علامہ عینیؒ نے البنایہ میں اس حوالے سے لکھا ہے کہ جب دباغت نجاست والی نمی کو زائل کرتی ہے تو ذبح کرنا بطریق اولی نجاست والی نمی کا زائل کرنے والی ہو گی[19]۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن ابی العز کا اشکال درست نہیں ہے۔

[اشکال نمبر:۴۲](صاحب ہدایہ کا قول؛کیونکہ زندگی کے خاتمے کو موت کہتے ہیں۔)

موت ایک امر وجودی ہے۔اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا"وہ ذات کہ جس نے موت و زندگی کو پیدا کیا"۔جبکہ معدوم چیز مخلوق نہیں ہو سکتی۔البتہ فلاسفہ اور ان کے موافقین یہ بات کہتے ہیں کہ موت زندگی کے خاتمے کا نام ہے۔اور ان کا قول باطل ہے۔ان کے ساتھ کلام اپنی جگہ پر معروف ہے۔

اشکال نمبر ۴۲ کا جائزہ:

اوپر صاحب ہدایہ نے یہ بات ذکر کی ہے کہ زندگی کا عدم موت ہے۔اس پر ابن ابی العزؒ نے یہ اشکال کیا ہے کہ یہ بات فلاسفہ کی ہے۔اس اشکال کا جواب علامہ عینیؒ نے البنایہ میں دیا ہے کہ خلق سے مراد تقدیر ہے۔اور عدم بھی مقدر ہے[20]۔لہذا اس جواب سے صاحب التنبیہ کا اشکال رفع ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا اشکالات کی تعداد دس ہے۔ان میں سے آٹھ اشکالات کا تعلق تعلیل کے ساتھ ہے۔ایک دو اشکالات ایسے ہیں جن کا تعلق حدیث کے ساتھ ہے۔اس میں شراح ہدایہ نے جو تفصیل ذکر کی ہے اس کو بھی مذکورہ آرٹیکل میں جگہ دی گئی ہے۔

حوالہ جات

[1] ابن ابی العز الحنفی، صدر الدین، علی بن علی۔ التنبیہ علی مشکلات الہدایۃ۔ الریاض: مکتبۃ الرشد، ۲۰۰۳ء۔ ۱/۲۳۸۔

[2] ابن ابی العز الحنفی، التنبیہ علی مشکلات الہدایۃ۔ ۱/۲۶۴۔

[1] حوالہ بالا، ص:۲۶۳۔

[2] حوالہ بالا، ص:۲۵۵۔

[5] البنایہ، بدر الدین عینی، ج:۱، ص:۳۶۸۔

[6] نصب الرایہ، زیلعی، ج:۱، ص:۹۴۔

[7] تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی، ج:۱، ص:۳۶۱۔

[8] ابن حجر، احمد بن علی بن محمد عسقلانی (متوفی:۸۵۲ھ)، تقریب التہذیب، دار الرشید۔ سوریا، طبع: اول۔ ۱۴۰۶ھ۔ ۱۹۸۶ء، ج:۱، ص:۴۹۸۔

[9] ذہبی، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد (متوفی:۷۴۸ھ)، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، دار المعرفہ للطباعہ والنشر۔ بیروت۔ لبنان، طبع: اول۔ ۱۳۸۲ھ۔ ۱۹۶۳ء، ج:۳، ص:۶۶۶۔

[10] حوالہ بالا۔

[11] البنایہ، عینی، ج:۱، ص:۳۷۷۔

[12] حوالہ بالا، ص:۳۷۸۔

[13] سنن ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی، ج:۱، ص:۱۷۔

[14] فتح القدیر، ابن ہمام، ج:۱، ص:۷۷۔

[15] حوالہ بالا، ص:۴۹۔

[16] ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم بن محمد، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، دار الکتاب الاسلامی، طبع: دوم، ج:۱، ص:۱۴۰۔

[17] فتح القدیر، ابن ہمام، ج:۱، ص:۹۵۔

[18] فتح القدیر، ابن ہمام، ج:۱، ص:۴۱۸

[19] البنایہ شرح الہدایہ، ج:۱، ص:۴۲۲۔

[20] حوالہ بالا، ص:۴۲۹۔